© rasailojaraid.com

اسلام اور بیمہ

مصنف علامہ موسیٰ جاراللہ
مترجم مولانا مطیع اللہ افغانی

موجودہ حالات میں علماء کرام کے سامنے جو جدید مسائل آئے ہیں ان میں سے لائیف انشورنس یا بیمہ کا مسئلہ بھی ایک ہے جواب تک طے نہیں ہوا اور تحقیق طلب ہے، دنیائے اسلام کے نامور عالم علامہ موسیٰ جاراللہؒ نے اس کی تحقیق میں ایک رسالہ بنام "تامین الحیاۃ" عربی زبان میں لکھا تھا جس کا مولانا مطیع اللہ افغانی نے اردو میں ترجمہ کیا تھا اور جناب محمد احمد سبزواری ایم، اے بھوپالی نے ایک مختصر مقدمہ بھی تحریر فرمایا تھا، اُس دور میں علامہ مرحوم زندہ تھے۔ یہ کتابچہ ۱۹۴۷ء میں لطیفی پریس دہلی میں چھپا تھا، جس کو ہم بلا کسی تغیر اور تبدیل کے یہاں شائع کر رہے ہیں تاکہ اس مسئلے کے جملہ پہلو سامنے آسکیں اور تحقیق کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔

(مدیر)

مُقدمہ | زیرِ نظر کتاب حضرت رئیسِ عصر، فاضلِ اجل، علامہ موسیٰ جاراللہ صاحب قبلہ کی ایک کتاب " تامین الحیاۃ والاموال والاملاک " کا اردو ترجمہ ہے۔
حضرت علامہ رُوس کے رہنے والے ہیں اور علماءِ اسلام میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۸۸۸ء میں روس کے ایک شہر روستوف ڈان میں ہوئی۔ بچپن ہی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کو تحصیل علم اور سیاحت سے کافی دلچسپی رہی۔ نوجوانی میں مختلف ملکوں کی سیر کی چنانچہ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان کے علمی مرکزوں کا دورہ فرمایا اور اس زمانے میں آپ تین ماہ تک بھوپال میں بھی مقیم رہے ۔

آپ عربی، ترکی، اور روسی میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بلغاروی، یگوسلاوی، فرانسیسی زبانیں بھی جانتے ہیں، فارسی اور اردو سے بھی کافی واقفیت ہے آپ کی ڈیڑھ سو کے قریب مطبوعہ کتابیں موجود ہیں۔ سب سے اہم کتاب "القانون المدنی للاسلام" ہے۔ آپ کی تیس کتابیں عربی میں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں سے "فقہ القرآن" سب سے اہم اور بڑی کتاب ہے جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ فارسی میں "کلیات حافظ کی شرح" آپ کی مطبوعہ کتاب ہے، روسی زبان میں خود آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ البتہ آپ کی متعدد کتابوں کا ترجمہ روسی زبان میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے متعدد مقالات اور مضامین روسی اخباروں میں شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔

آپ نصف دنیا میں گھوم چکے ہیں۔ بلاد یورپ میں فنلینڈ، ناروے، سوئیڈن، پولینڈ یونان۔ بلغاریہ، یگوسلاویہ، چیکوسلاواکیا، ہنگری، جرمنی، فرانس بلاد اسلامیہ قفقاز، ترکستان ترکی، ایران، عراق، عرب۔ افغانستان اور مصر آپ جا چکے ہیں۔ جاپان اور چین کا بڑا حصہ بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ دو مرتبہ ہندوستان بھی آپ آ چکے ہیں۔ ان مختلف النوع ممالک کی سیاحت اور زبانوں کے ادب کے مطالعہ نے آپ میں فراخ حوصلگی، وسعت نظر، غور و فکر اور تعمق کی عادت اور پیچیدہ مسائل کی باریکیوں تک پہنچنے کی ایسی اچھی صلاحیت پیدا کر دی ہے۔ جسکی مثال دوسرے علماء میں بہت کم نظر آتی ہے۔

آپ کا بڑے بڑے مشاہیر اور نامور لوگوں سے ملنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے جن میں کمال اتاترک مرحوم، نادر شاہ مرحوم، مولانا برکت اللہ صاحب بھوپالی، علی برادران، مفتی عبدہٗ (شاگرد رشید حضرت علامہ جمال الدین افغانی)، عصمت انینو سلطان ابن سعود، لینن، اسٹالین ٹراسکی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے علم و فضل کے اعتبار سے روس کے مسلمانوں پر آپ کا بڑا گہرا اثر ہے۔ اسی وجہ سے ۱۹۲۳ء میں آپ کو جلاوطنی کی حالت میں روسی مسلمانوں نے متفقہ طور پر منتخب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہ کے واسطے روسی نمائندہ منتخب کیا۔ اور آپ نے موتمر میں روسی مسلمانوں کی نمائندگی نرمائی۔
مسلمان اور عالم ہونے کی حیثیت سے آپ بالشویک تحریک اور اس کے بعد آنے والی
یت یا اس کی ترقی پسند صورت اشتمالیت سے ذرہ برابر متأثر نہ ہوئے۔ اور آپ کا یہ
رہا کہ تنہا اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اخوت، مساوات اور رواداری کی تعلیم دی
شتراکیت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی، نیز دنیوی نقطۂ نظر سے بھی ایک مفید حد تک انفرادی
ں اور ذاتی املاک کے جذبے کے بغیر دنیا کا کوئی نظام ترقی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عملی دشواریوں
ے آکر ان دونوں کو بڑی حد تک اشتراکی نظام میں داخل کر لیا گیا۔ ساتھ ہی آپ نے ان قدیم
می درسگاہوں کی بربادی بھی دیکھی تھی۔ جن میں زار کے زمانہ میں "ترولیس" (روسی بنا نا)
بعد میں بالشویک یا اشتراکی بنانے پر زور دیا جانے لگا تھا۔ اور آپ نے روسی مسلمانوں کو اسلامی
کے لئے ان کے واسطے علیحدہ پنج سالہ تعلیمی نظام مرتب کیا۔ اشتراکی حکومت کو آپ کی یہ
میاں ناگوار گذرنے لگیں۔ مگر وہ آپ کے علمی احترام کی بنا پر آپ کو کوئی سخت سزا
ا چاہتی تھی۔ اس لئے بڑی ردوقد سے بعد آپ کو مختصر سی مدت کے لئے قید کر دیا۔ رہائی
بعد آپ برلن چلے گئے، اور وہاں ایک کتاب "مراجعت من بہ علل اسلامیہ" لکھی، جس کا روسی
ں ترجمہ ہوا۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد آپ روس آئے تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ لینن کی وفات
بعد آپ کو رہا کر دیا۔ مگر پانچ سال کے لئے جلا وطن کر دیا۔ جلا وطنی کے بعد آپ واپس
لوٹ آئے۔ لیکن حالات ناساز گار تھے۔ اس لئے آپ نے حکومت سے باہر جانے کی
ت چاہی۔ مگر حکومت نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس بنا پر آپ خفیہ طور پر افغانستان
اور وہاں سے ہندوستان ہوتے ہوئے چین اور پھر جاپان چلے گئے، آغاز جنگ سے
آپ جاپان سے پھر ہندوستان آئے۔ اگرچہ آپ کا کسی سیاسی جماعت یا انجمن سے کوئی
نہ تھا مگر حکومت ہند نے آپ کو نظر بند کر دیا۔ اور پانچ سال کے بعد رہا کیا۔ آپ کی نظر بندی
زمانہ تین سال بھوپال میں گذرے جہاں آپ نے بڑی خاموشی سے زندگی گذاری۔ اور
کی تنہائی کا مونس اور غمخوار صرف مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ چنانچہ
پال کے قیام کے دوران میں آپ نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے سات شائع ہو چکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علامہ ایک ترقی پسند بزرگ ہیں۔ خدا کے قائل اور رسول کی اتباع کے دل دادہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب " القانون المدنی للاسلام " میں یہ ثابت کیا ہے۔ کہ جن اسلامی حکومتوں نے اسلامی قوانین کو چھوڑ کر یورپین قوانین اختیار کئے ہیں۔ انہوں نے اچھا نہیں کیا ہے۔ وہ اشتراکیت کے پکے دشمن ہیں۔ سود نہ صرف دارالاسلام بلکہ دارالحرب میں بھی ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اسلام کے قوانین عام ہیں اور وہ زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ لہٰذا مقام یا وقت بدل جانے سے ان میں کوئی تبدیلی یا لچک پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان چیزوں کے باوجود آپ جان اور مال کے بیمے کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کو مفید خیال کرتے ہوئے اس کی بیش از بیش اشاعت کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستانی علمار کی اکثریت بیمہ کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ بیمے کی جتنی شکلیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی شکل ایسی نہیں جس میں ربا و قمار یا دونوں میں سے کوئی ایک نہ پایا جاتا ہو، اب رہا یہ امر کہ بیمہ کے معاملات میں ربا و قمار کے ذکر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ منافع بیمہ کو دوسرے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ تو اس کی وجہ سے حقیقت ربا و قمار شرعًا تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کہ بیع عینہ بھی ایک بیع ہی ہوتی ہے (مثلاً زید نے عمر سے ایک گھوڑا سو روپیہ میں قرض خریدا اور رقم تین ماہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن اسی اثنا میں زید کو نقد رقم کی ضرورت ہوئی۔ اس نے وہی گھوڑا عمر ہی کو پچاس روپیہ نقد میں واپس فروخت کر دیا۔ نیز تین ماہ کے بعد قرض کے سو روپیہ اور مزید عمر کو ادا کئے اسی قسم کی بیع کو بیع عینہ کہتے ہیں جو فقہا کے نزدیک حرام ہے) حالانکہ ربا کا اس میں قطعی بھی تذکرہ نہیں ہوتا لیکن چونکہ اس میں بھی مآل کار حقیقت ربا پائی جاتی ہے اس وجہ سے باوجود عدم تذکرہ ربا کے وہ بھی ناجائز ہے "

بعض علمار اس کو تاوان اور آمدنی غیر مکتسب کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں مسلمانوں کے لئے ناجائز ہیں۔ اس لئے بیمہ کا جواز بھی ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علامہ نے جس نقطۂ نظر سے بیمہ کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔ وہ اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اس پر مسلمان عمومًا اور علمار کرام خصوصًا غور فرمائیں اس پر اعتراض کی خاطر نظر نہ ڈالنا چاہیئے۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے تمام نکات کو سامنے رکھ کر کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیصلہ کرنا چاہیئے۔ دراصل بیمہ وقت کی ایک اہم پکار ہے۔ اس کو سرسری نظر سے دیکھ کر ٹیں جا سکتا ہے۔

بعض ملکوں میں اس نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ انگلستان میں آج کل "نیشنل نس بل" پر جو بحث ہو رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہاں کی ساری آبادی کا بیمہ کر دیا ہے۔ جس کا مقصد بیماری اور بے روزگاری کا بیمہ ہر قسم کی ملازمت سے سبکدوشی ید پنشن، امداد زچگی، خاندانوں، بیواؤں، اور یتیموں کی کفالت اور اموال کی صورت ملاد وغیرہ جیسی شکلیں شامل ہوں گی۔ یہ ہر شخص کو کرانا ہوگا۔ خواہ وہ امیر ہو یا غریب س اسکیم کے ابتدائی مصارف ۴۵ کروڑ پونڈ ہوں گے۔ مگر اس کا مقصد انگلستان کے ہر باشند یبت اور پریشانی کے زمانے میں کفالت اور دستگیری ہوگا۔

یں کوئی عالم نہیں، مولوی نہیں، مُلّا نہیں، حتیٰ کہ دینی علوم کا مبتدی تک نہیں۔ مگر میری خواہش کہ اس مسئلے پر غور کرتے وقت اگر میری مندرجہ ذیل معروضات کو بھی پیش نظر رکھا جائے ید فیصلہ کرنے میں کوئی مدد مل جائے۔

(۱) سب سے پہلی صورت تاوان کی ہے، یعنی جب کسی بیمہ کنندہ یا اس کے ورثہ کو مُدّت ہ سے قبل اور مقررہ اقساط داخل کئے بغیر کسی ناگہانی اور غیر متوقع سبب کی بنا پر پوری رقم ملتی تو گیا اس کی شکل تاوان کی ہو جاتی ہے۔ دراصل تاوان وُہ معاوضہ ہے، جو کسی کو نقصان پہنچا کر مل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کمپنی نقصان نہیں اٹھاتی بلکہ وہ زائد رقم اپنے محفوظ فنڈ سے ادا کر دیتی ۔ پھر چونکہ کاروبار بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اس لئے نقصان کی تلافی دوسری طرف کے نفع سے جاتی ہے۔ کمپنی کو ذاتی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ہر کاروبار نفع کی خاطر کیا جاتا ہے۔ نقصان صورت میں اچھی سے اچھی کمپنی بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر ایک اور بات بھی ذہن میں رکھنا تیے۔ کہ اموات کے مقابلہ میں پیدائش کی شرح زائد رہتی ہے۔ یہی صورت ناگہانی اور غیر متوقع حادثوں ہے۔ جو مجلہ بیمہ کے تناسب سے بہت کم پیش آتے ہیں۔

لہٰذا مجموعی حیثیت سے کمپنی کو کوئی تاوان دینا ہی نہیں پڑتا ہے۔

(۲) دوسری صورت غیر مکتسب آمدنی کی ہے۔ مگر ہر غیر مکتسب مکروہ اور ناجائز نہیں ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً کسی دوست یا عزیز کا عطیہ، وِرثہ یا ترکہ میں معقول رقم کا ملنا، خون کا معاوضہ، کسی کی اعانت اور امداد بھی غیر مکتسب آمدنیوں کے ذیل میں آتی ہے، مگر اسلام میں ان کی ممانعت نہیں ہے یہی صورت بیمہ کی ہے۔ جہاں تعاون اور شراکت کے تحت ایک رقم ملتی ہے۔

(۳) جو کسی کمپنی میں بیمہ کراتے ہیں وہ کمپنی کے شراکت دار بن جاتے ہیں، کیونکہ کمپنی ہر دوسرے یا تیسرے سال اپنے جملہ کاروبار کا حساب لگا کر منافع علیحدہ نکال دیتی ہے اور اس میں کچھ رقم محفوظ فنڈ میں داخل کرکے باقی رقم "بونس" کے نام سے جملہ حصہ داروں کو تقسیم کر دیتی ہے اس منافع کی مقدار معین نہیں ہوتی۔ کسی مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اور کسی مرتبہ کم۔ اور کبھی بالکل نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے کاروباروں میں ایک مقررہ شرح سے کم منافع ملنا یا منافع کا بالکل نہ ملنا بھی ایک قسم کا نقصان ہے اور جب شراکت دار کسی کاروبار کے نفع و نقصان میں برابر کے ہی شریک ہوں تو ایسا کاروبار ناجائز نہیں ہو سکتا۔

(۴) ایک اعتراض یہ ہے کہ بیمہ کمپنیاں سودی کاروبار کے ذریعہ نفع حاصل کرتی ہیں، اور جب ان کے سرمایہ میں سود کا جزو شامل ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو آج ہر قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتیں ناجائز ہو جاتی ہیں، کیونکہ تنخواہ، وظیفہ، امداد، منصب یا پنشن جو سرکاری خزانوں یا غیر سرکاری تحویلوں سے ملتی ہیں ان میں مشتبہ اور ناجائز آمدنیوں کا جزو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ حکومت کے خزانوں میں سود اور شراب وغیرہ کی آمدنی بھی داخل ہوتی ہے اور ان کو الگ الگ رکھنے کا کوئی انتظام نہیں ساری آمدنیاں ملا دی جاتی ہیں۔ اور ان ہی میں سے تنخواہیں اور وظیفے ادا ہوتے ہیں۔ میرے خیال سے تو وہ اسلامی حکومتیں بھی جو سود اور شراب وغیرہ کی آمدنیوں کے جواز کی قائل نہیں ہیں اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ آج کل بین الاقوامی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ ان میں سے بیشتر حکومتوں کو معاہداتی طریق کے تحت غیر اسلامی حکومتوں سے ساحل سمندر یا فضائی راستوں کے استعمال کا معاوضہ یا معدنیات وغیرہ کے اجاروں کی رقم ملتی ہے جو غیر اسلامی حکومتوں کے ان خزانوں سے ادا ہوتی ہے جہاں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں، اور اس طرح یہ جزو اسلامی حکومتوں کے خزانوں کی پاک رقموں کو بھی گندہ کر دیتا ہے۔ اس طرح تو یہ مسئلہ بجائے سلجھنے کے اور زیادہ الجھ جائے گا۔ غالباً یہ مشکل صرف اس طرح حل ہو سکتی ہے کہ اگر اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھا جائے کہ جس آدمی کو جس خدمت یا کام کا معاوضہ مل رہا ہے وہ خدمت یا کام فی نفسہ حرام
ناور مکروہ تو نہیں۔ دوسرے وہ خدمت دیانتداری اور صداقت کے ساتھ انجام دی جارہی ہے
ب؟ اگر یہ دونوں صورتیں موجود ہیں تو اس کو جو معاوضہ مل رہا ہے وہ اس کے لئے جائز اور حلال ہے
مورت بیمہ کی ہے، یعنی اگر بیمہ کنندہ یا اس کے وارث خود سود نہیں لیتے تو ان کو کمپنی سے جو رقم
ہے وہ ان کے لئے جائز ہے۔

(۵) اسلام کے دو مسائل قسامہ اور دیت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ قسامہ یعنی خون کی
ت میں محلے والوں پر قسم کے لازم آنے کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی محلے میں مقتول پایا گیا جس کے قاتل
ل معلوم نہیں تو مقتول کا وارث اس محلے والوں میں سے پچاس آدمی چھانٹے اور اُن سے قسم لی
ئے کہ بخدا نہ ہم نے قتل کیا، اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ قسم کھالینے کے بعد محلے والوں
تول کی دیت لازم ہوگی۔ اگر مقتول دریا کے کنارے لٹکا یا بندھا ہوا ملے تو جو گاؤں وہاں سے
ہ نزدیک ہوگا اس پر قسامہ لازم آئے گا۔ اگر مقتول کشتی میں ملے تو جو اس میں سوار ہوں اور ملاح
اُن پر دیت اور قسامہ لازم آئے گا۔ اگر مقتول شارع عام یا جامع مسجد میں ملے تو دیت بیت المال
دی جائے گی۔ یہی صورت عام دیت کی ہے کہ دیت قاتل پر لازم ہے اگر اس میں دیت ادا کرنے
ملاحیت نہ ہو تو اس کی برادری یا رشتہ داروں پر۔ اور اگر اس کے قبیلے کے لوگ اتنے نہ ہوں کہ
حساب سے بٹ پڑ سکے تو اس میں عصبات کی ترتیب کے لحاظ سے دوسرے قبیلے یا رشتے
ں کو ملایا جاسکتا ہے اور اگر سارے قبیلے میں دیت ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو بعض اور صورتوں
بیت المال میں تمام مسلمانوں سے دیت دلوائی جائے گی۔

اِن مسائل پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اول تو اسلام نے ہر مسلمان کی جان کا ضمان اور
ساری مسلم قوم کو بنایا ہے۔ اور اگر وہ اپنے اس فرض کو انجام نہ دے تو اس کو اس کا کفارہ دیت
ں میں ادا کرنے پر تیار رہنا چاہیئے، جو ایک کفالت عمومی کی تشکیل ہے۔ دوسرے اس کفالت عمومی کو
قدر اہمیت دی کہ بعض صورتوں میں تاوان تک کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ مثلاً قسامہ کی صورت
اگر مقتول کو محلے والوں یا مقام قتل کے پاس والے گاؤں والوں نے قتل نہیں کیا اور قاتل کا کوئی
نہ چلا تو عوام کو جو دیت دینا پڑے گی دراصل وہ تاوان ہی ہوگی۔ بلکہ وہ اس صورت میں بھی تاوان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جب کہ وہ قسم کھاتے ہیں کہ "نہ تو ہم نے قتل کیا اور نہ ہم قاتل کو جانتے ہیں" لیکن ان سے دیت دلوائی جاتی ہے۔ تیسرے دیت کا جو معاوضہ بصورت رقم یا جنس ادا کیا جاتا ہے حقیقتاً وہ مقتول کے گوشت اور پوست کا معاوضہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذمہ داریوں، فرائض اور کفالتوں کا معاوضہ ہے جو مقتول پر بحیثیت باپ، شوہر، اولاد یا اور کسی رشتے کے لحاظ سے عائد ہوتی تھیں۔ گویا اسلام قتل (یعنی ناگہانی موت کی ایک صورت) میں پسماندگان اور اعزاء کی کفالت پر بڑا زور دیتا ہے۔ یہی صورت بیمہ کی ہے جہاں قبل از وقت موت یا حادثے کی صورت میں اس کو یا اس کے وارثوں کو خاندان کی کفالت کے واسطے شراکتِ عمومی میں سے ایک رقم (جو معین ہو چکی ہے) مل جاتی ہے جو نہ قمار ہے نہ تاوان اور نہ غیر مکتسب آمدنی۔ اور نہ داخل شدہ رقم کا سود ہو سکتا ہے۔ کیونکہ فرض کیجئے ب نے پچیس سال کے واسطے ایک ہزار روپیہ کا بیمہ کرایا اور ابھی اس نے صرف ۶ ماہ کی قسطیں یعنی پچیس روپے داخل کئے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اور کمپنی کے شرائط کے مطابق ورثہ کو ایک ہزار روپیہ مل گیا ظاہر ہے کہ ۹۷۵ روپیہ کی رقم جو زائد ملی وہ کسی صورت میں بھی پچیس روپیہ کا چھ ماہ کا سود نہیں ہو سکتی۔

بیمے کے سلسلے میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی جتنی رقم کا بیمہ کراتا ہے تو اس کی پالیسی پختہ ہونے کے بعد اس کو جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ قسطوں پر جو رقم پھیلائی جاتی ہے۔ وہ سب ملا کر اس رقم سے زائد ہو جاتی ہے جتنی رقم کی اصل پالیسی کہلاتی ہے، اور پالیسی پختہ ہونے کے بعد جو رقم ملتی ہے دراصل وہ وہی زائد رقم ہوتی ہے۔ جو خود بیمہ کنندہ نے زائد داخل کی تھی منافع والی پالیسی میں وہ "بونس" اور شامل ہو جاتا ہے جو پچیس سال کے عرصہ میں کمپنی نے وقتاً فوقتاً تقسیم کیا۔ ذیل کے نقشے سے یہ چیز اور واضح ہو جائے گی۔

عمر بوقت بیمہ	مدت بیمہ	سالانہ قسط	ادا ہونے والی رقم	قیمت اصل پالیسی	زائد رقم جو ادا کی گئی	بغیر منافع والی پالیسی
۴۵ سال	۲۵ سال	۵۰/۰	۱۲۵۰	۱۰۰۰	۲۵۰	
عمر بوقت بیمہ	مدت بیمہ	سالانہ قسط	ادا ہونے والی رقم	قیمت اصل پالیسی	زائد رقم جو ادا کی گئی	منافع والی پالیسی
۴۵ سال	۲۵ سال	۵۷/۶	۱۴۳۴	۱۰۰۰	۴۳۴/۶	

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ سے زیادہ احتیاط کا تقاضا یہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان غیر منافع والی پالیسی خرید
ں تاکہ "بونس" کی شکل میں جو منافع ملتا ہے اور جس میں سود کے جزو کا شامل ہونے
ال ہے اس سے بھی محفوظ رہ سکیں۔

مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں بیمے کا رواج بہت کم ہے ۱۹۳۷ء میں بیمہ
ں کی تعداد ۳۷۹ تھی جن میں ۱۴۷ بیرونی کمپنیاں تھیں اور خالص منافع کی تعداد ۲۴۷۵
روپیہ تھی جس میں سے صرف ۷۴ لاکھ ہندوستانی کمپنیوں کا منافع تھا اور باقی دو کروڑ
اکھ غیر ہندوستانی کمپنیوں کا۔ اگرچہ بدیسی کمپنیوں کی تعداد کم تھی مگر ان کا منافع زائد ہونے
جہ ہے کہ یہ "زندگی" جائداد، عمارتوں، آگ، جہازرانی وغیرہ مختلف کاموں کا بیمہ کرتی ہیں
وستانی کمپنیاں زیادہ تر زندگیوں کا بیمہ کرتی ہیں اور اس میں منافع کم ہوتا ہے۔

مملک میں ۲۳۲ ہندوستانی کمپنیاں ہیں اور ان میں صرف دو مسلمانوں کی کمپنیاں ہیں
۱۰ کمپنیاں ایسی ہیں جن میں ایک ایک مسلمان ڈائرکٹر اور چند حصے دار مسلمان ہوتے
طرا ان سب کی تعداد ایسی ہی ہے جیسے آٹے میں نمک۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ
ں مسلمان بیمہ کی طرف توجہ کریں بلکہ مسلمان اپنی کمپنیاں بھی قائم کریں اور اس کاروبار کو بھی
ے زیادہ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش ہونا چاہیئے۔

ہندوستان ایک غریب ملک ہے، دوسرے ملکوں کے مقابلے میں یہاں کی سالانہ اوسط
معیار بہت ہی ادنیٰ ہے۔ لکھ پتی اور کروڑپتیوں کا تناسب آبادی کے لحاظ سے
ہی کم ہے۔ اور ہندوستانی مسلمان ہندوستانی قوموں سے اکثر پست اور مفلس ہیں
یہ تجارت اور کاروبار میں زیادہ مشغول نہیں۔ مسلمانوں میں جو خال خال خوش حال نظر
ہیں۔ ان کے اخراجات بھی زیادہ، معیارِ زندگی اعلیٰ، اور ان کو پس اندازی کی عادت
نہیں۔ اس لئے جب وہ ناگہانی طور پر کسی حادثے یا موت کا شکار ہوجاتے ہیں تو ان
بس ماندگان اور اعزا کا جو حال ہوتا ہے، اس کی سینکڑوں مثالیں ہم روزمرہ اپنے گردو
دیکھ سکتے ہیں۔ مفلسی اور تنگدستی سے عاجز آکر ہر سال سینکڑوں بیوائیں اور یتیم لاوارث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچے مشنری اور دوسرے مبلغوں کے آغوش میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ ضرورت ہے کہ ایسے خاندانوں کی کفالت کی جائے، اور اس کے واسطے بیمہ سے بہتر کوئی چیز نہیں ۔ بہت سے خوش حال گھرانے بگڑ جانے کے بعد نہ تو اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلا سکتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کی شادی کر سکتے ہیں، لیکن ان کو کوئی دقت نہ ہو اگر یہ تعلیمی پالیسیاں اور شادی کی پالیسیاں خرید لیں، اور ہر ماہ ایک چھوٹی سی رقم داخل کر کے ضرورت کے وقت ایک معقول رقم پانے کے مستحق ہو جائیں ۔

حضرت علامہ نے مسلمانوں کو اپنے اموال کے ایک حصّے کو بصورتِ وقف کرانے کا جو مشورہ دیا ہے وہ بہت ہی صائب ہے ، بلکہ میری رائے میں تو موجودہ اوقاف کا بیمہ ہو جانا بھی ضروری ہے تاکہ ایک طرف تو اوقاف کی موجودہ خرابیوں کی اصلاح ہو سکے ، اور دوسری طرف مستحقینِ وقف صحیح طور پر استفادہ کر سکیں، جو واقفین کا اصلی مقصد ہوتا ہے ۔ یہ نہ ہو کہ اوقاف محض چند آدمیوں کے قبضے میں جاکر ان کی ہوس و جاہ پرستیوں کا شکار بن جائے

مولوی مطیع اللہ خاں صاحب افغانی جنہوں نے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے خود ایک دردمند اور صاحبِ بصیرت انسان ہیں ان کے دل میں قوم کی خدمت کی سچی تڑپ ہے، ان میں خاموشی سے کام کرنے کی عادت ہے ۔ وہ مسائلِ حاضرہ سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں ۔ اردو داں طبقہ کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایک علامۂ روزگار، فاضلِ اجل کے گراں قدر اور قیمتی خیالات سے ہمیں روشناس کرایا۔ اور غالباً علامہ کی یہ پہلی کتاب ہے جس کا ترجمہ اُردو میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ اس کے ساتھ اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ترجمہ یا مقدمہ میں کوئی لغزش نظر آئے تو اس کو نظر انداز فرما دیا جائے کیونکہ اصل مقصد روح ہے نہ کہ ظاہری رنگ اور روپ۔ اور نہ اہلِ دانش ایسی معمولی باتوں کو اہمیت دیا کرتے ہیں ۔ فقط

محمد احمد سبزواری ایم، اے۔ بھوپال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لائف انشورنس اور بیمہ خواہ بڑھاپے، عجز اور موت کے بعد پیش آنے والے خطرات کی انسداد اور اندفاع کی بنا پر کرایا جائے، یا کسی بھی ایسی تباہی اور نقصان رسیدگی کی پیش بندی کے لئے کرایا جائے جب انسان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی انجام دہی سے عاجز اور بے بس ہو جاتا ہو، تو یقیناً ایک اچھی اور بہترین دور اندیشی ہے۔ لائف انشورنس اور بیمہ یا اس قسم کی دوسری کمپنیاں سب کی سب اقتصادی خوش حالی کے خاطر وجود میں لائی ہوئی تمدنی اور شہری مفاد کی ایجادات ہیں، کچھ عرصہ پہلے انسان ان کے نام سے بھی ناواقف اور ناآشنا تھا، لیکن آج ہر فرد بشر بلاتخصیص ایک کفالت عمومی کی شکل میں اس سے مستفید ہوتا ہے۔ دُنیا کے مظلوم اور غریب افراد، تمدن اور تہذیب یافتہ دنیا کے باشندے ایک عرصۂ دراز سے اس کفالتِ عمومی کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ سالہا سال کی جانفشانی کے بعد دنیا کی کاوشیں بارآور ثابت ہوئیں، اور یہ کامیابی بھی انسانی سوسائٹی کے انہی علماء، فضلا اور برگزیدہ افراد کی مرہونِ منت رہی جو ہمیشہ انسانیت اور دنیا کی مظلوم آبادی کی بھلائی اور خوش حالی کی خاطر ایک سرگرم جدوجہد اور انتھک کوششوں میں منہمک رہتے ہیں۔ سینکڑوں تکلیف دہ تجربات کے بعد وہ اپنی مسلسل محنتوں کے پھل سے انسانیت اور بشریت کی عام آبادی کو مستفید کرتے ہیں۔ انسانیت کی شہری اور تمدنی ترقی ہمیشہ ان ہی اُولوالعزم اور باہمت افراد کی اَن گنت کوششوں کے سر رہی ہے۔ بشریت کا ارتقا آسمانی پرواز، بری اور بحری سہولتیں اور آسانیاں بھی ان ہی کی بے شمار محنتوں، اور بے نظیر کوششوں کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ اقتصادی مشکلات اور تمدنی راستوں کی رکاوٹیں بھی صرف یہی حضرات دور کر سکے۔ اس قسم کی تمام جدید اسکیمیں جو اجتماعِ انسانی کی بھلائی کی خاطر وجود میں لائی جاتی ہیں وہ سب ان حضرات علماء، اہل تجربہ، اور مجتہدینِ کرام کے دماغوں کے ثمرات ہوتے ہیں جو سالہا سال تک ان تجربات میں بشریت کی بھلائی کے خاطر صرف کرتے ہیں۔ ان تدابیر کو وجود میں لانے کے بعد ان کی عام منفعت سے ہر شخص بغیر کسی تخصیص کے مستفید ہوتا ہے، امیر اور غریب یکساں طور پر ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی اجتماعی حقیقت ہے جس کے مشاہدہ کے لئے معمولی سی بصیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ذرا سی بینائی کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے مختلف دور سے اس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ کفالت عمومی کا فائدہ ہر عصر میں کتنا عام رہا ہے۔ اسی کھلی ہوئی حقیقت کی طرف خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۲۹ : ۶۹)

جن لوگوں نے (ہماری رضامندی کی خاطر) ہماری راہ میں جدوجہد کی ہم ضرور ان کو نیک راستے بتائیں گے، بلاشک وشبہ خدا نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے وسائل فراہم کرنے کے لئے خواہ کوئی بھی کوشش کرے اس شخص کا اس آیت کریمہ کے عموم میں داخل ہونا ایک یقینی امر ہے۔ یہ کسی کے بھی بس کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرے یا اس کے نظم کو بدل دے، کتاب اللہ کے کسی عام حکم کی تخصیص کرے، اور نہ کسی کی اتنی طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی عام کے فائدے کو خاص کرے۔

(۱) مال کا بڑھنا اور زیادہ ہونا ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ اسی طرح (۲) مال از روئے شریعتِ اسلامیہ ایک قسم کا چشمۂ خیر ہے جو ہمیشہ جاری ہے اور اس کے علاوہ (۳) مال اپنی منفعتِ عامہ کے اعتبار سے اجتماع انسانی کے لئے اپنی دنیوی خوبیوں کے ساتھ ایک قسم کا خداوندی آرام و آسائش ہے مندرجہ بالا تینوں خوبیوں کو خداوندِ دوجہاں نے ہر قسم کے مال میں ودیعت اور امانت کیا۔ مال کی نمو اور زیادتی کا ہر شخص مختلف طریقوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ کاشتکار کھیتی میں، باغبان باغ میں، نسل کش نسل کشی میں، تاجر تجارت کی منڈیوں میں۔ غرض ہر شخص مختلف طریقوں سے اس کی منفعت کا اندازہ لگا سکتا ہے، لیکن آج کل مال کی منفعت کے ایسے ایسے وسائل فراہم ہو چکے ہیں جو پہلے نہ تھے، اور ان سے صرف بزرگترین سلطنت اور بڑے سے بڑا بادشاہ زیادہ سے زیادہ اقتصادی فائدہ اٹھاتا ہے۔ آج کل دراصل ان ہی ملکوں کی سلطنتیں ہیں جو اقتصادیات میں سب سے بے نظیر مہارت رکھتی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ثروت اور دولتمندی تہ بتہ رکھے ہوئے منجمد سرمایہ کا نام تھا جو معادن، کان اور خزانوں کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ ان خزانوں کے دروازے مقفل تھے۔ ان کی کنجیوں کے ڈھیر بھی بذاتِ خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوجہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن آج دولت اور سرمایہ کے ڈھیر کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں، اور نہ اس کا کسی گروہ میں شمار ہے، نہ ایسی دولت سوسائٹی یا خود مالک کے لئے مفید تصور ہے، جب تک کہ وہ اقتصادیات کے ماہر اور ذہین لوگوں کے ہاتھ میں گردش نہ، جس کو یہ لوگ موقعہ سے کسی مفید تجارتی کاروبار میں اپنی اقتصادی مہارت اور ذہانت سے استعمال کرتے ہیں، بعض اوقات اتنا کثیر نفع کماتے ہیں جو راس المال سرمایہ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ذہانت اور تجربہ جس سے اقتصادیات کے بڑے ماہر فائدہ اٹھاتے ہیں کوئی مذہبی یا فقہی پیشوا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بعض اوقات مادی ماہر مال کو اس طرح گردش دیتے ہیں جہاں ربا اور سود کا نام تک نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا اثر یا وجود ہو۔

اسی اصلی دلیل اور اسی بنیادی علت کی بنا پر خدائے تعالیٰ نے سرمایہ اور دولت کے لگانے کو حرام فرمایا ہے۔ (۹ : ۳۴) ۔ کیونکہ مال کا بہترین نفع امتداد اور گردش ہی کی صورت نمایاں ہوتا ہے، نہ یہ کہ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے جائیں کیونکہ مال کا بہترین معاون مددگار ثابت ہونا۔ اس صورت کے بغیر نا ممکن ہے۔ زکوٰۃ کے بار بار فرض ہونے کا بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ نصاب کا مقتضیٰ اور منشا ہی یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ دولت سے نفع حاصل کیا جائے اور مالکِ مال کا یہ فرض ہے کہ وہ منڈی میں اپنے مال سے طریقوں سے فائدہ اٹھائے (نہ یہ کہ گھر میں ڈھیر لگائے اور اس کے وجود کی پوجا کرے)۔

خداوندی:

لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ تاکہ دولت صرف امراء ہی کے قبضوں میں نہ رہے۔ (۵۹ : ۷)

ہماری رہبری فرماتا ہے کہ قانون الٰہی کا مقتضا ہی یہ ہے کہ مال کو زیادہ سے زیادہ امتداد پھیلاؤ کا موقعہ دیا جائے تاکہ سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ افراد اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اجتماع انسان کو ہر قسم کا آرام اور آسایش نصیب ہو۔ افلاس و غریبی انسانیت سے دور ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدنیت اور شہریت بشری ہمیشہ سیراب اور خوش حال رہے ۔

لفظ "انفاق" جو آیت کنز (۹ : ۳۴) میں مذکور ہے اور بھی اس کے علاوہ جتنے مقامات پر یہ لفظ مذکور ہوا ہے اس سے بھی یہی مقصد ہے کہ مال دولت کو نفع بخش اور مفید طریقوں پر استعمال میں لانا چاہیئے تاکہ افراد ایک دوسرے کے دست نگر اور محتاج نہ رہیں اور اس طرح انسانی سوسائٹی کے غریب افراد کسب حلال اور سود مند کمائی کے عادی بن جائیں اگر انفاق سے مروج معنیٰ مراد لئے جائیں کہ لوگ صدقات اور خیرات کے عادی بن جائیں اور صدقات اور خیرات ہی کو ذریعۂ معاش بنائیں تو انفاق کا نتیجہ گداگری ہی ہوگا، جو مفید ہونے کی بجائے ایک کھلی ہوئی ہلاکت اور تباہی ہے، اور اسی کا پھل ہے جس کو آج کل ہم چکھ رہے ہیں ۔

کتاب اللہ نے شرعی نقطۂ نظر سے صرف مال کے وجود ہی کو امداد باہمی اور بہترین کفالتِ عمومی کا ایک جاری چشمۂ خیر قرار دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے کہ تجارتی اور منفعتی صورت میں اس کے ڈھیر کے ڈھیر آسمان کی طرف عمودی شکل میں مرتفع ہوں ۔ بلکہ اس نے انسان کو اس بات کی دعوت دی ہے کہ دولت کو پہلے تجارت اور منفعت عمومی کے لئے سطح زمین پر افقی شکل میں پھیلایا جائے تاکہ ہر فرد و بشر مساویانہ طور پر اس سے مستفید ہو سکے ۔ اور آخر کار نتیجہ میں عمودی شکل میں اپنے مرکز کی طرف لوٹے ، تاکہ اجتماعِ انسانی اور بشری سوسائٹی میں کوئی ایک بھی محتاج اور غریب نہ رہے ، اور دنیا کی آبادی کا ہر فرد خوش حالی سے زندگی بسر کر سکے ۔ اگر مال اور دولت کا استعمال اس طریقہ پر نہ ہو تو دولت یقیناً خدا کے حکم کے خلاف ایک مٹھی بھر افراد کے ہاتھ میں اکٹھی ہوگی اور اس فعلِ قبیح کا نتیجہ سوائے قتل و خونریزی کے اور کیا ہو سکتا ہے ۔

اگر غور کیا جائے تو دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں لڑی گئی ہیں اکثر اسی غلطی اور بے انصافی کا نتیجہ ہیں۔ تمدن اور شہریت کو جب بھی نقصان پہنچا ہے وہ اسی کوتاہی کا ثمرہ ہے ۔ انسانی آبادی اور اچھی مدنیت جب بھی تباہ اور برباد ہوئی ہے صرف اسی غلط اصول اور خود غرضی سے ہوئی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی مذہبی فقیہ، دینی پیشوا، یا گزشتہ زمانے کے دینوی وسائل کے مقلد کا ان موجود روباری وسائل پر بے سوچے سمجھے اعتراض کرنا یقیناً لغو اور بے بنیاد ہے، اگر ان میں سے کسی حضرت کا قول اعتراض کی حد سے بڑھ کر تحریمی حکم تک پہنچے تو بلاشک وشبہ یہ نہ صرف ان کی زیادتی ہی ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ایسے حضرات کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے متعلق خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ " — انہوں نے عوام کے لئے ایسا دین ایجاد کیا جس کی کہ خدا نے اجازت نہیں دی ہے۔

" قُلْ آللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ " — کیا خدا نے تم کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ بولتے ہو؟

مقلدین کے ایسے استدلالات جو کسی چیز کی حلت اور حرمت یا جواز اور عدم جواز کے متعلق ہوتے ہیں ان کی بنیاد عموماً دو باتوں پر ہوتی ہے (۱) یا تو وہ اپنی نادانستہ جہالت کی وجہ سے ایسے استدلالات پیش کرتے ہیں (۲) اور یا پھر دانستہ طور پر اپنے استدلال کی غلطی کو جانتے ہوئے وہ ایسا کرتے ہیں اور اس طرح عوام کو غلط راستہ پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی چیز کو بطورِ احتیاط کے حرام قرار دے تو اس کے اس احتیاطی حکم میں اور کسی حلال چیز کو حرام قطعی قرار دینے میں کوئی فرق نہیں ہے اس احتیاط کی بیماری نے اکثر لوگوں سے یا تو حلال قطعی کو حرام کرایا اور یا حرام قطعی کو حلال کرا دیا۔ حالانکہ ہمارے لئے یقین کے سوا کوئی بھی بہتر طریقہ نہیں ہو سکتا اور ہم کو اسی یقین ہی کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ صرف یہی ہماری نجات کا راستہ ہے۔ احتیاط سے استفادہ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ نہ تو احتیاطاً ہم کسی چیز کو حلال قرار دیں اور نہ حرام، تا وقتیکہ ہم کو کوئی نص صریح نہ جائے۔ ہاں احتیاط سے اس وقت ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے جب کہ کسی چیز کے حلال قرار دینے میں انسانیت کی خاطر کوئی کھلی ہوئی فلاح نظر آجائے اور یا کسی امر کے حرام قرار دینے میں ہم کو کوئی کھلا ہوا فساد نظر آجائے گویا حلت اور حرمت میں ہمیشہ فلاح یا فساد مدِ نظر رہنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ہر احتیاط جو دین میں زیادتی پیدا کرتی ہو یا اس کے سبب سے دین میں نقصان کا خوف ہو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیناً لغو، بے سود اور باطل مطلق ہے۔ ہر سچے مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسی احتیاط کو احتیاط کی تلقین کرنے والے کے سر پر دے مارے خداوندِ عالم کے ارشادِ گرامی کا بھی یہی مقصد ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔

جن چیزوں کی تمہاری زبانیں وصف اور تعریف کرتی ہیں۔ ان کو حلال یا حرام کہہ کر خدا پر جھوٹ کی تہمت نہ لگاؤ۔

جس علمیت اور عقلیت کو تسلیم کرنے سے کوئی نصِ شرعی انکار کرے تو اس سے کسی بھلائی کی امید نہیں، اور جس دعویٰ کی حقیقت اور صحت کا اعتراف علم اور عقل نہ کرتے ہوں، اس سے بھی کسی فائدہ اور فلاح کا واسطہ نہیں ہے۔ ہاں جو علم اور عقل کے خلاف برائی کا ارتکاب نہ کراتا ہو، اور نہ فضیلت بشری، اور صلاحِ عام کو ہاتھ سے جانے دیتا ہو، بلاشک وشبہ شریعتِ الٰہی اور دینِ اسلامی بڑی خوشی سے اس کا استقبال کرتا ہے غرض یہ کہ دینِ خداوندی ہر شرافت اور فضیلت، بھلائی اور صلاحِ بشری کا خیر مقدم کرتا ہے۔

چونکہ لفظ "تأمین" (جو بیمہ کے معنیٰ میں مستعمل ہو سکتا ہے) اپنے معنیٰ کے لحاظ سے خاص اور ظاہر ہے اس لئے میں اس کو اس مسئلہ بیمہ میں بار بار ذکر کرتا ہوں، اور لفظ "تأمین" قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے۔ مثلاً "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا"۔

قرآن نے عموماً لفظ "امن" کو ذکر کیا ہے جیسے:-

"ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ط"

اسی معنیٰ میں لفظ "ایمان" کا بھی ذکر ہوا ہے:-

"وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ" (۱۰۶ : ۴)

میرا جی یہ گوارا نہیں کرتا ہے کہ اس مقدس لفظ "تأمین" کو عامیانہ رواجی محاورات میں استعمال کر کے رسوا کروں، اور نہ یہ دل پسند کرتا ہے کہ اس لفظ کو کمپنیوں کے اسما اور نام کے لئے مروج کرادوں، خواہ وزن افعال عربی میں کتنی وسعت اور گنجائش کیوں نہ ہو۔ اہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمانی میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے لفظ "سیغورطہ" استعمال کیا جاتا ہے میرے خیال میں یہ اصطلاح انگریزی لفظ (Security) سے وضع کی گئی ہے، جس کے معنی تامین اور حفاظت کے ہیں۔ فارسی اور اردو میں لفظ بیمہ اس مفہوم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے "بیم" کے معنی خوف اور خطرے کے ہیں "ہ" نسبت کے لئے بڑھادی گئی ہے۔ عراق والوں نے بیمہ سے تبییمہ بنایا ہے جس کے معنی خوف اور خطرے سے بچانے کے ہوتے ہیں، اور بیمہ کو باب تفعیل میں لے جانے سے ازالہ کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح خداوندِ عالم فرماتا ہے:

إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (۵ : ۳)

"ذکاء" اصل میں خون کی طبعی اور غریزی حرارت کو کہتے ہیں اور خون بہانے کے بعد یہ حرارت جاتی رہتی ہے۔ "باب تفعیل تزکیہ" میں لے جانے کے بعد اس کے معنی حرارت غریزی کے ازالہ کے ہوگئے۔ اس بناء پر لفظ "تبییم" (ازالۂ خوف وخطر) کا تأمین یا بیمہ کے لئے عربی زبان یا غیر عربی میں استعمال کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ اور دیگر مشترک المعنیٰ الفاظ میں سے اشتباہ سے زیادہ محفوظ ہے۔ مال اور دولت، زندگی اور بڑھاپا، یا کسی اور چیز کا بیمہ ہو جب کہ انسان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے انجام دہی سے عاجز اور بے بس ہو جاتا ہے اس کو تامین کہتے ہیں۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ بیمہ کمپنیاں نہ تو آنے والے خطرات کو دفع کرسکتی ہیں اور نہ کسی شخص کا خوف اور ڈر کم کرسکتی ہیں اور نہ مقدر میں لکھی ہوئی تباہی کو روک سکتی ہیں۔ ان کمپنیوں کا کام صرف اتنا ہے کہ پیش آمدہ خطرات اور مقدرہ نقصانات کی تلافی بطورِ ضمانت اور کفالتِ عمومی کے کرتی رہیں، اسی طرح ان کی ممبری اور رکنیت بھی ایک امرِ اختیاری ہے جو شخص ان میں سے کسی کمپنی کا رکن بننا چاہے اس کو سالانہ یا ماہانہ ایک رقم مقررہ داخل کرنا پڑتی ہے۔ مقررہ رقم کی مقدار جسے بیمہ کرانے والا کمپنی کے حوالہ کرتا ہے۔ اس کی مطلوبہ ضمانت کی نسبت سے ہوا کرتی ہے، جب کمپنی بیمہ کرانے والے کو اس کے نقصان کی تلافی کی ضمانت دیتی ہے تو مالِ مجموع مشترک سے دیا کرتی ہے اور کمپنی اس رقم کو بیمہ کرانے والے کو بطورِ اعانت اور تلافیٔ نقصان کے اپنے قانون اور قاعدے کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتی ہے ، نہ اس لئے کہ یہ رقم بیمہ کرانے والے کی جمع کی ہوئی رقم کا نفع اور سود ہے ، بلکہ
کے اصول اور قاعدے کے مطابق ایک قسم کی عائد کردہ اور مقررہ اعانت اور کفالت عمومی ہے
جسے وہ اپنے ہر رکن کے ساتھ روا رکھتی ہے ۔ بیمہ کا فائدہ یا تو خود بیمہ کرانے والے ہی کو پہ
ہے اور یا پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ۔ غرض کہ کمپنی کا ممبر کسی وقت بھی ا
مجموعہ مشترک رقم کے نفع سے مستفید ہو سکتا ہے ۔

جب کسی انسان کو اس بات کا خطرہ ہو کہ مرنے کے بعد میرے چھوٹے ، نابالغ
عاجز اور بوڑھے ماں باپ ، اور دوسرے اعزاء فاقہ کشی سے مرنے لگیں گے یا در با
ٹھوکریں کھاتے پھریں گے تو ایسے ممکنہ واقعات کی پیش بندی کے لئے زندگی کا بیمہ یقی
اس قسم کے مصائب اور مشکلات سے بچنے کی آسان ترین شکل ہے ، اور ایسی صورت
بیمہ کرانے والے کے مرنے کے بعد اس کے بچوں کو کسی بھی مشکل سے دوچار نہ ہونا پڑے
بلکہ مرنے کے بعد بیمہ شدہ رقم اور اس کے فوائد سے اسی کے بچے مستفید ہوں گے ۔ خا
عالم کے حکم کی تعمیل کی یہی ایک بہترین صورت ہے ۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۔ جو لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو فاقہ کشی کی حالت دانستہ چھوڑ کر مریں گے ۔ وہ خدا کے خوف ۔ زیادہ مستحق ہیں ۔ (۹۱)

بلا شک وشبہ نظم آیت کریمہ نے (ولیخش) کو صلہ ذکر ہونے کے بعد مفعول ۔
بے پروا کر دیا ہے اور کسی چیز کا بجائے دو دفعہ کے ایک دفعہ اس طرح سے ذکر کرنا کہ مف
کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آجائے یقیناً انتہا درجہ کی بلاغت اور فصاحت ہے
چنانچہ آیت میں صلہ اَلَّذِيْ لَوْ تَرَكَ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافَ عَلَيْهَا لِيَخْشَ مِنْ اَ
يَتْرُكُهَا ضِعَافًا کے ذکر کرنے کے بعد مخاطب بڑی آسانی سے کلام کے مفہوم کو سمجھ سک
ہے ۔ صلہ میں " لو " بطور شرطیہ کے استعمال ہوا کرتا ہے مثل " رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَ
لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ " (۱۵ : ۲)

قرآن میں ایسی مثالیں بہت سی ہیں جہاں صلہ نے فعل کو مفعول سے مستغنی ا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے پروا کر دیا ہے۔ جیسا:

"وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء"۔ (۱۰، ۶۶)

آیت میں "یدعون" کے مفعول کے ذکر نے "وما یتبع" کے مفعول کے ذکر کرنے کی حاجت کو پورا کر دیا۔ اب اصل عبارت یوں ہوگی " الذین یدعون من دون اللہ شرکاء لا یتبعون شرکاء ان یتبعون الا الظن۔" جو لوگ خدا کے سوا دوسرے باطل معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ حقیقتاً ان کی پوجا نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنے ظن باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسری مثال "واوتیت من کل شیء شیئاً" ہر چیز میں سے ایک چیز دی گئی۔ تیسری مثال۔ واتاکم من کل ما سألتموہ جو تم نے مانگا وہ تم کو دے دیا۔

یہاں پر بھی "اتاکم" کے مفعول کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اصل عبارت یوں ہے "واتاکم من کل ماسألتموہ کل ماسألتموہ" ایک دوسرے طریقہ سے بھی آیت کا مفہوم عربی زبان میں ادا ہو سکتا ہے "واتاکم من کل ماسألتموہ ماسألتموہ" دونوں صورتوں میں عموم مستغرق ہے۔ لفظ "کل" دوسری صورت بہ نسبت اول (من کل شیء ما سألتموہ اولم تسئلوہ) کے زیادہ عام ہے۔ اور شمولیت بھی اس کی زیادہ ہے۔ خداوند عالم کے کرم کے ساتھ بھی دوسری صورت زیادہ مناسب ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اہل تفسیر کتاب اللہ کے نظم کی اصلاح کی خاطر اس آیت میں خارجی مفعول فرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔ جس طرح کتاب اللہ کی دیگر آیات یا دوسری کتابوں کی اصلاح نظمی کی خاطر یہ حضرات اپنی عادت اور معمول کے مطابق کرتے ہیں حالانکہ خدا کی کتاب اور اس کا کمال اس قسم کی ہر اصلاح اور ہر عیب سے بری اور بالاتر ہے۔ اس کی ذات گرامی ہر مادی حاجت سے بری، اور بلند تر ہے۔ لیکن پھر بھی مفسرین کرام اس قسم کی جرأتیں کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے معنی اگرچہ مفسرین کرام اور اولیاء عظام کے بیان کی بناء پر بھی صحیح اور درست ہو سکتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ یہ فرضی اور تقدیری مداخلت کتاب اللہ تعالیٰ کے نظم اور سیاق بیان کو اپنی بہترین بلاغت اور فصاحت سے ہٹا دیتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ فرضی اور تقدیری مداخلت کی صورت میں ربطِ عبارت اور آیت کا نظم اپنے مفہوم اور مطلب کو اس خوبی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا جس طرح کہ وہ اس وقت موجودہ صورت میں ادا کر رہا ہے، حالانکہ آیت وراثت ہی کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اتاری گئی ہے۔

اس آیت کے سلسلہ میں میری گزارش ایک تسلیم شدہ امر ہے، اور یہ صرف میری ہی مخلصانہ جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ ہے، جس میں نہ تو کتاب اللہ کے نظم کی اصلاح کا دعویٰ ہے اور نہ اس میں کسی فرضی اور تقدیری مداخلت کا جھگڑا ہے۔ میرے خیال سے تو کتاب اللہ کے ساتھ یہی برتاؤ ایک بہتر طریقہ ہے اور کتاب اللہ کی بلاغت اور فصاحت کو بحال رکھنے کے لئے یہی ایک سب سے زیادہ مناسب اور موافق راستہ ہے اس لئے کہ کتاب اللہ کا مقصد بھی اصل قانونِ الٰہی ہی کا بیان کرنا ہے اور چھوٹے اور ناتواں بچوں کی حالت ضعیف کی اہمیت جتانا ہے۔

اب یہ بات قابلِ غور رہ جاتی ہے کہ بیمہ کا جواز کس دلیل یا کس حجت سے ثابت ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ عصرِ جدید اور دورِ حاضر میں بیمہ کمپنیاں تمام کی تمام ایک قسم کی کفالت عمومی کی شکل میں تقریباً ہر جگہ اور ہر شہر میں موجود ہیں اور ہر شخص کمپنی کی مخصوص اور مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس کا ممبر اور حصہ دار بن سکتا ہے اب یہ کہ وہ رقم زائد ہو یا کم تو اس سے ہم کو کوئی بحث نہیں ہے چونکہ رقم ایک قسم کی ضمانت مطلوب ہوتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ مختلف کمپنیوں میں اس کی حیثیت مختلف ہو تاہم مقصد سب کمپنیوں کا قریب قریب ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ ان کمپنیوں کے شرعی جواز کے لئے تین دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں اور ان میں سے ہر حکم کی تعمیل ہر مسلمان پر شرعاً فرض ہے۔ قرآن، حدیث اور اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رو سے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی تعمیل کرے۔ ان دلائل سے نہ صرف اس قسم کی کمپنیوں کی ایجاد اور اختراع ثابت ہوتی ہے بلکہ ان کی ایجاد کی ضرورت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان اصولوں پر عمل کرانا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور ان احکام پر مطلع ہونے کے بعد کسی مسلمان کی اس معاملہ میں کوتاہی یا غفلت یقیناً قابلِ مواخذہ۔ سوسائٹی، معاشرہ اور جماعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اصلاح کے لیئے ان میں سے صرف ایک ہی دلیل کافی ہے چہ جائیکہ تین کی تلاش وجستجو کی جائے۔

۱۔ نصیحت :۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں " الدین النصیحۃ ، قیل لمن یارسول اللہ ، قال للہ ولنبیہ ولکتابہ ولعامۃ المؤمنین "

دین دوسرے کی بھلائی ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا کس کی خوشنودی یا کس کی پیروی کی خاطر۔ آپ نے ارشاد فرمایا خدا ، رسول ، تمام مسلمانوں کی خوشنودی اور بھلائی ، اور خدا کی کتاب کی فرمانبرداری کی خاطر۔

نصیحت کے معنٰی ہیں دوسرے کی بھلائی چاہنا۔ رسولِ خدا نے اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔" أن تحب لاخیك ما تحبه لنفسك "۔ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ قرآن میں بھی یہ لفظ مختلف جگہ استعمال ہوا ہے۔ وَنَصَحْتُ لَكُمْ میں نے تمہاری بھلائی چاہی۔ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ میں تم دونوں کی بھلائی چاہتا ہوں۔ نصیحت کے یہی معنٰی لینا یقیناً تقویٰ اور پرہیز گاری کی روح ، عدل اور انصاف کی بنیاد ہے۔ اور یہی معنٰی لے کر مسلمان اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور بہتر سے بہتر طریقہ پر رسول اللہؐ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل کر سکیں گے۔

۲۔ رعایت :۔ اس لفظ کے معنٰی ذمہ دار ہونے اور حفاظت کرنے کے آتے ہیں قرآن کریم نے بھی اس معنٰی میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔" فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا " انہوں نے اس کی کوئی مناسب اور کماحقہ حفاظت نہ کی۔ شارعِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔" کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ " تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔ چنانچہ اس ارشادِ محترم کی خاطر یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنی ذمہ داریوں سے خود کو سبکدوش کرنے کے لیئے اللہ کی مخلوق کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے۔ اور اس پر لازم ہے کہ دل کھول کر انسانیت اور بشریت کی خدمت کرے۔ سوسائٹی اور معاشرہ کو خوش حال بنانے کے لیئے زیادہ سے زیادہ سرگرم کوشش میں مصروف رہے۔ گویا اس طرح لفظ رعایت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمومیت اور شمولیت بھی اتنی ہی وسیع ہے جتنی وسعت اور عموم کہ لفظ نصیحت میں تھی اس طرح سے گویا دونوں لفظ از روئے اہمیت مساوی قرار پائے۔

تیسری دلیل کفالت:۔ اس لفظ کفالت کے معنی تاوان اور ضمانت مطلوب کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس لفظ کفالت کا بھی متعدد جگہ تذکرہ ہے۔ "کَفَّلَهَا زَكَرِيَّا" "وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا" حضرت زکریا (علیہ السلام) حضرت مریم (علیہا السلام) کے کفیل تھے۔ اور تم نے خدا کو اپنا نگران بنایا۔ کفالت کی دو قسمیں ہیں۔ خاص اور عام۔ دونوں قسم سے سبکدوش ہونا ہر مسلمان اور ہر فردِ مؤمن کا فرض ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ سوسائٹی اور معاشرہ کی بھلائی کی خاطر اپنے آپ کو اس فرض سے بری کردے۔ تکافل عمومی اپنے منافع اور مفادِ عامہ کی خاطر ایک بہترین اصل ہے۔ اور شرعِ اسلام میں اس کی کمترین مثال "اماطۃ الاذی عن الطریق" ہے۔ راستے سے کوڑے کرکٹ اور کانٹے کو دور کرنا اسی کے معنی ہیں اور ارشادِ خداوندی: "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" اللہ کی خوشنودی اور لوگوں کی بھلائی کی خاطر خدا کی مخلوق کی رضامندی کے معاملہ میں ایک دوسرے کی اعانت اور امداد کرو۔ اور دوسروں کے ظلم و ستم کی حالت میں ایک دوسرے کا ساتھ مت دو۔ اسلام کی آمد سے پہلے بھی عرب میں "ولاء"، تعالف، اجارہ اور دیت جاہلیت کے زمانے میں کفالت عمومی کی شکل میں موجود تھے۔ اور تکافل عمومی کی صورت میں ان پر عمل ہوتا تھا۔ اسلام کے آنے سے پہلے بھی یہ چیزیں تمام کی تمام عملی شکل میں موجود تھیں۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو قتل کرتا تو مقتول کی دیت پہلے قاتل ہی پر لازم آتی تھی جس میں قاتل کا قبیلہ بھی مقتول کی دیت کی ادائیگی میں شریک ہوتا تھا۔ قاتل کے قبیلہ پر مقتول کی دیت قانون تعاون اور تکافل ہی کی بنا پر لازم آتی تھی۔ دیت کی ادائیگی یا تو ایک سو اونٹ یا ایک ہزار سونے کے دینار اور یا دس ہزار چاندی کے درہم کی رقم کی صورت میں ہوا کرتی تھی۔ اسلام کے آنے کے بعد کتاب اللہ اور نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیت کے لئے جاہلیت کے زمانے کے اسی مروجہ اجتماعی قانون کو بحال رکھا اور اس کو قانونِ خداوندی قرار دے کر زیادہ سے زیادہ پختہ اور مستحکم کر دیا۔ اگر جاہلیت کے زمانے میں دیت کی ادائیگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف قاتل کے قبیلہ ہی پر لازم آیا کرتی تھی تو اب تمام اہل اسلام کے "بیت المال" سے اس کی ادائیگی ہونے لگی گویا اس قانون کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے میں جو بھی آسانیاں ممکن ہو سکتی تھیں ان سب کو مہیا کیا گیا۔ کفالتِ عمومی کو جتنی وسعت دی جا سکتی ہے اتنی وسعت دی گئی۔ اگر سچ پوچھا جائے تو اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی قانونِ عمومی اور کوئی کفالتِ عامہ اتنی وسعت پا سکے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دفاتر اور دواوین کی تدوین اور ترتیب کے بعد دیت کی ادائیگی کو بیت المال ہی پر لازم کر دیا تھا چنانچہ اہل دیوان اور دفتر سینکڑوں قبائل سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی اس معاملہ میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل دیت صرف قاتل اور اس کے قبیلہ ہی پر لازم آتی تھی۔ لیکن اسلام نے اس کفالتِ عمومی کو اتنی وسعت دی کہ ہزاروں قبائل کو اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا شریک بنا دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کا یہ حکم تمام صحابہ کرامؓ کے روبرو اور سب کے سامنے تھا اور ان کی موجودگی میں اس پر عمل درآمد کرایا گیا، لیکن چونکہ اس کی بنیاد نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ اور مقرر کردہ سنت پر تھی۔ اس لئے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ اور پھر ایک قسم کی کفالتِ عمومی ہی تو تھی تو اس کی مخالفت کیونکر کی جاتی؟

امام الائمہ اور شمس الائمہ مبسوط (۲۷، ۱۲۵) میں ارشاد فرماتے ہیں: "اہلِ علم نے دیت کی ادائیگی کو اہلِ دیوان ہی پر لازم کر دیا ہے۔" آج بھی اس کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی بھلائی اور اپنی اقتصادی حالت کی بہتری اور سدھار کی خاطر مختلف طریقوں سے اس نظام اسلامی کو زندہ کریں۔ موجودہ افلاس، تنگدستی اور احتیاج کی وجہ سے ہر لکھے پڑھے مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ پر پہلی فرصت میں غور کرے، تاکہ مسلمانوں کے تعاون سے کفالتِ عمومی ضرورت کے وقت ایک منظم شکل میں منظرِ عام پر آ جائے۔ آج ہماری مساجد کے امام مدارس دینیہ اور دنیویہ کے اساتذہ اور طلباء کو اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم کو اس سلسلہ میں اب مزید غفلت نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اس کے بعد بھی خواب غفلت میں پڑے رہے تو انجام بہت ہی برا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

یہ پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ بیمہ کمپنی کا رکن یا ممبر بننا ایک اختیاری بات ہے اور کسی تباہی کے وقت جو رقم کمپنی بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے وہ ایک قسم کی کفالتِ عمومی اور امانت عامہ ہوا کرتی ہے۔ اور یہ رقم بیمہ کرانے والے کی جمع کردہ رقم کا نفع نہیں ہوتا۔ کمپنی جب تمام سرمایہ اور سب مال مجموعِ مشترک رقم کو کسی مفید کام میں لگاتی ہے یا اس رقم سے تجارتی کاروبار کرتی ہے تو اس قسم کی تجارت یقیناً مضاربتِ مشروع ہی کی ایک شاخ ہوا کرتی ہے۔ اس قسم کی تجارت کے منافع بھی مضاربت ہی کے منافع کی طرح ہوتے ہیں جن کی صحت اور جواز میں کسی کو شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی یہ نہ تو قرآن کریم کا حرام کردہ ربا اور سود ہے، اور نہ یہ رقم بیمہ کرانے والے کی رقم کا نفع ہے بلکہ یہ ایک قسم کی امانت ہے جس کے ذریعہ متوقعہ اور واقع ہونے والی تباہی کی اندفاع اور پیش بندی مقصود ہوتی ہے نہ معلوم بعض حضرات بے سوچے سمجھے اس کو سودی کاروبار کیسے کہہ دیتے ہیں۔

ذرا خیال تو فرمائیے ہم فرض کرتے ہیں، آج ایک شخص پانچ روپیہ ماہانہ کے حساب سے دو ہزار کی رقم کے واسطے اپنی زندگی کا بیمہ کراتا ہے۔ اور بیمہ کے تمام مراحل طے ہوجانے کے دوسرے روز وہ مرجاتا ہے۔ شرکت یا کمپنی دو ہزار روپیے کی رقم اس کے وارثوں کو ادا کرتی ہے۔ اب یہ بتایا جائے کہ یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ یہ دو ہزار کی رقم اس کے پانچ روپیہ کے ایک دن کا نفع یا سود ہے۔ اب جب کہ ہمارا مندرجہ بالا بیان صحیح قرار پایا تو خدا کا فضل اگر شامل حال رہے تو اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے اب ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی خوف اور خدشہ نہیں کہ بیمہ اور انشورنس یقیناً موجودہ زمانے میں مفاد عامہ کے لئے ایک بہترین چیز ہے، اور اس کی بہتری اور اچھائی میں کسی فقیہ اور عقلمند کو شک کرنا بظاہر ناممکن ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی بزرگ اس امر کی حقانیت اور صداقت سے انکار فرماتے ہیں اور امتِ مرحومہ کے حق میں اس کی بھلائی سے روگردانی کرتے ہیں تو ہم کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں سے شریفانہ طریقہ سے درگزر کریں، اور ان کی ہٹ دھرمی کے اعتراضات کو خندہ پیشانی سے سن لیں۔ اگر اسلامی حکومتیں اور مسلمان سرمایہ دار مل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک بڑی رقم کا بیمہ کرائیں یا اسلامی سلطنتیں اپنی رعایا کے ہر فرد پر زندگی یا دیگر اموال کے بیمہ کو بیمہ کمپنیوں کے اصول کے مطابق واجب اور لازم کر دیں تو ایسا کرنا یا کرانا یقیناً ان حکومتوں اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہوگا۔ اگر دولتمند اور سرمایہ دار مسلمان اپنے اموال کے ایک مخصوص حصہ کو بصورتِ بیمہ وقف کرائیں تو یہ وقف اپنی برکت اور فائدہ مندی کی وجہ سے یقیناً مفید ترین وقف ہوگا، اور ایسے وقف کرنے والے کا شمار بہترین اور ممتاز ترین واقفین میں ہوگا۔ (آج ہر جگہ کے مسلمان جس غربت اور افلاس میں مبتلا ہیں وہ کسی صاحبِ دیدہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمان اس راہ میں جلد سے جلد عملی قدم اٹھائیں)۔

آج کل بیمہ کمپنیوں سے فائدہ اٹھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایسا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی عقلمند اور دُور اندیش فقیہ کا اس سے انکار کرنا میرے خیال سے ناممکن ہے۔ یہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ بیمہ ہی وہ بہترین طریقہ اور آسان ترین صورت ہے جس کے ذریعہ آیت مذکور (وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا الخ) پر عمل ہو سکتا ہے۔ اور صرف اسی طریقہ سے اس آیت کو بہترین عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے لیکن میرے اس کہنے کا مقصد دوسرے اہلِ تفسیر کے ارشادات کا رد بھی نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ ایک طریقہ مزید فائدہ حاصل کرنے کا بتانا مقصود ہے اگر مفسرینِ کرام کی تفسیرات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو میری گزارش اور میرا بیان کردہ طریقہ بھی یقیناً زیادہ سے زیادہ قابلِ عمل اور فائدہ مند ہے۔

جس زمانے میں بصرہ میں مقیم تھا تو حضرت سید محمد ذکیر صاحب جن کا گھر "بیت ذکیر" کے نام سے مشہور ہے۔ اور بصرہ کے بزرگ ترین اور شریف ترین لوگوں، علم دوست اور مہمان نوازوں میں ان کا شمار ہے، ان حضرت کے یہاں اکثر میری آمد و رفت رہتی تھی۔ ایک دن بھرے مجمع میں میرے اور صاحبِ خانہ کے درمیان بیمہ کے متعلق بحث ہو رہی تھی صاحبِ خانہ یعنی حضرت محمد ذکیر صاحب نے فرمایا: "ہم اپنے اموال اور زندگی کی تبییم ڈیڑھ فی صدی پر نہیں کرانا چاہتے ہیں، کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں $2\frac{1}{2}$ فیصدی سے زیادہ پر اس کا بیمہ کرا چکے ہیں"۔ یہ سب سے پہلا اتفاق تھا جب کہ میں نے لفظ تبییم ایک عرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادیب کی زبان سے سُنا۔ سید محمد ذکیر صاحب کی زبان سے یہ کلمات سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اس لئے کہ زکوٰۃ دُنیوی اور اُخروی معاملات کے لئے انسان کے نفس اور مال دونوں کے لئے بہترین بھلائی ہے، اور مؤمن کے مال اور نفس کے واسطے مفید ترین گارنٹی اور ضمانت ہے، جو سوسائٹی اور معاشرہ کے اقتصادی نقصانات کی تلافی کر دیتی ہے۔ اس گفتگو سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اور کیوں نہ ہوتی جب کہ انہوں نے مجھ سے ایک ایسی بات کہی جو میرے دل کو بھاتی تھی، ایسی صورت میں مجھے لازماً خوش ہونا چاہیئے تھا۔

اس کے بعد پھر کسی روز ایک علمی مجلس میں بیمہ کا ذکر چھڑ گیا، اہلِ مجلس نے میری رائے معلوم کرنی چاہی، میں نے متذکرہ بالا خیالات کو ظاہر کیا۔ چنانچہ اہلِ مجلس میں سے ایک فقیہ صاحب نے مبالغہ آمیز الفاظ میں میرے خیالات کو پسند کیا اور مجلس میں سے ایک نوجوان نے بھی خواہش کی کہ میں اپنے اس بیان کو قلم بند کر کے ان کے حوالہ کر دوں۔ میں نے بھی ان کی یہ خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا، اور اپنے خیالات چند صفحوں پر لکھ کر ان کے حوالہ کر دیئے۔

چند روز بعد ایک مختصر رسالہ انگریزی زبان میں چھپا ہوا میری نظر سے گزرا، جس کو کسی مسلمان نے بیمہ اور بنک کے سودی کاروبار کے متعلق نقل کیا تھا۔ رسالہ کا مضمون یہ تھا کہ حضرت محترم شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم دہلوی نے بیمہ اور بنک کے سود کو دارالحرب میں جائز قرار دیا ہے۔ اور رسالہ والے صاحب نے کتب فقہیہ میں فقہاء کا مشہور مقولہ "لاربا بین مسلم وحربی فی دارہ" کو بھی نقل کیا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا افسوس ہوا، ذرا دیکھیئے تو:-

(۱) اس قسم کے رسائل ایک ایسی قوم کی زبان میں نشر ہوتے ہیں جس کا تمدن اپنی انتہا پر پہنچ چکا ہے۔

(۲) فقہِ اسلام سے ایسے جملے نقل کئے جاتے ہیں جن کے مفہوم اور معنیٰ کو نقل کرنے والا خود بھی نہیں جانتا ہے۔

(۳) پھر یہ اقوال ان برگزیدہ ائمۂ کرام کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں جن کی ذاتِ گرامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطعاً ایسی نسبتوں سے پاک ہے۔

(۴) اس کے علاوہ علماءِ ہند ان تمام حالات اور ان واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں؟

کتنی تعجب خیز ہے یہ حقیقت! اور اس سے بڑھ کر تعجب خیز ہمارا سکوت اور خاموشی۔ ان حالات اور ان واقعات سے متاثر ہوکر میں نے ان چند اوراق کو جو بصرہ میں اس نوجوان کے حوالہ کئے تھے چھاپنے کا ارادہ کیا۔ اس امید پر کہ شاید اس کے ذریعہ وہ عام اشتباہ دور ہوجائے جو فاسد افکار و غلط اوہام کی شکل میں بڑے بڑے فقہاء کے دماغوں میں جاگزیں ہوکر گھونسلہ بنا چکا ہے۔ اور اچھے اچھے عقلمندوں کے دماغی توازن کو بھی تباہ کرچکا ہے۔ خدا کرے میری یہ آرزو پوری ہوجائے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ لڑائی چھڑ جانے کے بعد مسلم اور غیر مسلم دونوں کے خون، مال اور تمام حقوق کی عصمت اور حفاظت بالکل جاتی رہتی ہے، اور کسی کے مال و دولت کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ان دونوں میں سے خواہ کوئی بھی ہو جب دار الحرب اور میدان جنگ میں پہنچے گا تو نہ تو اس کے نفس کی کوئی گارنٹی اور ضمانت دے سکتا ہے اور نہ اس کے مال و دولت کی۔ بلکہ جس طرح بھی کسی سے ہوسکے گا وہ دوسرے کو لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ پس عدم ربا تا اختتام حرب ہے نہ یہ کہ ربا حلال ہے۔ بلکہ اصلی علت اور حقیقی سبب یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے خون، مال اور تمام حقوق کی عصمت و حفاظت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں رہا ہے۔ بلکہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اس بات کی عام اجازت ہے کہ وہ اپنے مخالف کا مال جتنا، اور جیسے لینا چاہے لے سکتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے فقہائے کرام فرماتے ہیں "لا ربا بین الوالد و ولدہ" یعنی باپ اور بیٹے کے درمیان ربا اور سود متحقق نہیں ہوسکتا۔ یا "لا ربا بین الرجل و اھلہ" یعنی شوہر اور بیوی کے درمیان ربا اور سود نہیں ہے۔ ہمارے فقہاء کے ان اقوال سے حلتِ ربا ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ بلکہ ان کا یہ ارشاد عدمِ ربا کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ان کے اس کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے درمیان ربا اور سود کا متحقق اور ثابت ہونا غیر متصور اور ناممکن ہے۔ اس لئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والد کو والد ہونے کی وجہ سے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طرح اور جتنا چاہے اپنے لڑکے کے مال سے صرف کرے۔ یہ مقصد نہیں کہ وہ خرید اور فروخت کے ذریعہ ایسا کر سکتا ہے۔ بعض اوقات بعض فقہاء اپنے وہم اور ظن کی بنا پر بطور مغالطہ کے یہ بات دلیل اور حجت کی طرح پیش کرتے ہیں اور اس کو سنت اور حدیث کی طرف بطور سند کے منسوب کرتے ہیں۔

(۱) حضرت مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا " لا ربا بین المسلمین واھل الحرب فی دار الحرب" یعنی مسلمانوں اور ان سے لڑنے والوں کے درمیان میدانِ جنگ میں ربا اور سود نہیں ہے۔

روایت میں حضرت مکحولؓ کا درجہ ایک ثقہ امام کا ہے، اور اس کے علاوہ آپ کا مرسل بھی محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمان اہل الحرب سے مال لے تو یہ اس کا کام ہے، اور ایسا کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اس کے ایسا کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ شرع اسلام نے ربا، قمار اور جوئے کو حلال قرار دیا ہے۔ بلکہ جنگ نے مال کی عصمت اور حفاظت کو باطل کر دیا ہے اور اب مال بجائے معصوم اور محفوظ ہونے کے مباح قرار پایا ہے۔ اور اب مسلمان جس مال پر قبضہ کرتا ہے وہ مباح ہے۔ پس شرعِ اسلام مالِ مباح کا واپس کرنا مسلمان پر واجب نہیں کرتا۔ صرف استیلا اور غلبہ ملکیت کے لئے کافی نہیں بلکہ ساتھ ہی مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس مال پر قبضہ کر کے اپنے دار، دار الاسلام کو منتقل بھی کر دے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مال کی حفاظت صرف دار ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مخاطرت کی، اور آپ نے شرط لگائی۔ پھر مخاطرت اور شرط کی مدت میں نبی محترم کے حکم سے اضافہ کرایا۔ روم نے فارس پر غلبہ پایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرط جیت لی۔ اور اپنا مشروط لے لیا۔ حضرتِ شارعِ اسلام نے اس کی اجازت دے دی۔ اگرچہ جوا بازی اور قمار بازی اسلام میں حرام تھے۔ حضرت شارعِ اسلام کی اجازت دینے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ پہلی حجت تھی جس کی وجہ سے کتاب اللہ کی صداقت اس کے منکرین پر ثابت ہو گئی۔

(۳) اس کی وجہ سے اسلام کا غلبہ اس کے دشمنوں پر ثابت ہو گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) اس وقت تک مکہ شریف دارِ شرک تھا۔

(۵) حضرت صدیق کا ایسا کرنا نہ تو مقامرت تھی، نہ شرط اور نہ جوابازی تھی۔ بلکہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ روم فارس پر غلبہ پالئے گا۔ اس لئے حضرت صدیق رض کا عمل نہ تو جوابازی قرار پا سکتا ہے اور نہ قمار۔

نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے اس شرط پر کشتی لڑی تھی کہ اگر میں نے تم کو پچھاڑا تو تمہاری بکریوں کی ایک تہائی میری ہو جائیں گی۔ چنانچہ آپ نے تین مرتبہ رکانہ کو پچھاڑ کر اس کی تمام بکریاں جیت لیں۔ لیکن شرافتِ نفس کا ثبوت دیتے ہوئے آپ نے اس کی تمام بکریاں اسے واپس کر دیں۔ رکانہ اس وقت تک کافر تھا۔ نہ تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی تھی، اور نہ اسلام سے جنگ۔

نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام کسی مسلمان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ کسی کے مال کو بری نگاہ سے دیکھے، بلکہ کافر اور مسلمان دونوں کے مال کی عصمت اور حفاظت برابر تھی۔ جس طرح ایک مسلمان کے مال کی حفاظت ہوا کرتی تھی اسی طرح کافر کے مال کی نگہبانی ہوتی تھی۔

(۷) غزوۂ احد کے موقعہ پر کسی مشرک مقتول کی نعش خندق میں گر پڑی، اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک معتدبہ رقم فدیہ پیش کی گئی۔ حضور محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رض کو اس رقم کے لینے سے منع فرمایا اور نعش بلا فدیہ ورثہ کے حوالہ کر دی۔ اہل عراق کا یہ مقولہ کہ "کفار کا خون اور مال ہمارے لئے حلال ہے" اسلام سے روگردانی نہیں بلکہ یہ ایک قسم کا سیاسی جملہ ہے جو جانبازانِ اسلام کو رغبت دلانے کے لئے معرکۂ جنگ کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ اس کے فائدے کا احساس صرف زمانۂ جنگ ہی میں کیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام مالک رح سے پوچھا گیا کہ کیا دار الحرب میں مسلمان اور غیر مسلم حربی کے درمیان ربا اور سود جائز ہے؟ آپ نے فرمایا "کیا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے؟" سائل نے کہا "نہیں" امام مالک رح نے فرمایا "پھر تو کوئی حرج نہیں ہے"۔ (کتاب مدونہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۱) اور اگر معاہدہ ہو گیا تو ایسی صورت میں جنگ باقی نہیں رہے گی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اس وقت میں مال کا سود کے ساتھ لینا یا دینا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مسلمان کا تعلق دارالاسلام سے ہوگا اور اہلِ اسلام کہیں بھی ہوں ان کے لئے سود کا لین دین ناجائز ہے۔ یہ بات کسی فقیہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ مسلمان کے لئے کافر کے مال کو سود کے ساتھ لینے کو اس کی رضامندی اور خوشی پر محمول کرے، کیونکہ اس نے یہ مال مع ربا حکم عقد کی بنا پر لیا ہے۔ یعنی عام خرید و فروخت کی طرح یہ معاملہ بھی اضافہ سود کے ساتھ طے قرار پایا ہے، اسی وجہ سے سود دینے والا سُود دینے پر مجبور ہے، بصورتِ دیگر اگر حکم عقد کی صورت نہ ہوتی، تو کافر مسلمان کے ایسے فعل پر نہ تو کبھی رضامند ہوتا اور نہ اس بات پر آمادگی کا اظہار کرتا۔ اگر مسلمان کے اس فعل کو دارالحرب میں اس تاویل کے ساتھ جائز قرار دیا جائے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس عمل کو دارالاسلام میں بھی اسی تاویل کے ساتھ جائز قرار نہ دیا جائے۔ وہاں بھی ہم یہی کہہ سکیں گے کہ دارالاسلام میں بھی ایک درہم کو تو درہم کے بدلہ میں دے دیا گیا لیکن دوسرا درہم مسلمان نے بطور ہبہ کے اپنی خوشی اور رضامندی سے دیا ہے۔

کتبِ مذہبیہ کے بیان کے مطابق دین اور قانون کے اعتبار سے دار صرف دو ہیں:۔ (۱) دارالاسلام اور (۲) دارِ غیر اسلام۔ اسلام کے مقابلہ میں تمام ادیان ایک دین اور ایک ملت مانے جاتے ہیں، جن کو دارِ کفر اور دارِ شرک سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فقہاء کرام کے نزدیک دار صرف دو ہیں (۱) دارالاسلام (۲) دارالشرک یا دارالکفر۔ لیکن یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر ہونے کی وجہ سے اسلام کا عدل اور انصاف نہیں بدلتا، اور نہ اس کے انصاف پر اس اختلافِ دارین کی وجہ سے کوئی اثر پڑتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دارالاسلام میں ہوں یا دارالکفر میں، ان دونوں کا خون، مال اور تمام حقوق ہر حالت میں صرف انسانیت کی بنا پر معصوم اور محفوظ ہیں۔ گویا ان کے خون اور مال کی حفاظت کلمہ اور دار کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلام کے عدل اور انصاف کی بنا پر ہے۔

دار کا اختلاف یا تو طبعی ہوتا ہے یا جغرافیاتِ اُمم اور حکومت کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک بھی اسلام کے عدل اور انصاف پر اثر انداز نہیں، بلکہ اسلام کی نگاہ میں ہر امت ہر قوم اور ہر دار کے عصمت اور امان موجود ہے، اور یہ امن و انصاف نفسِ انسانیت کی بنا پر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین اور کلمہ کی وجہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ اسی وجہ سے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ۔ خدا سلامتی کے گھر کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً (۲۰۸:۲) ایمان والو! تم سب کے سب امن میں داخل ہو جاؤ۔

عرش عزت اور کرسیٔ عدل وانصاف کی طرف سے یہ ایک عام آسمانی خطاب ہے، جو زمین پر بسنے والے ہر فرد و بشر کے لئے ایک طرح کی خوشخبری ہے۔

خداوندِ دوجہاں کا قول "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" خدا کے نزدیک برگزیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔ کے یہی معنی ہیں کہ ہر فرد و بشر صلح و آشتی، امن و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہے، انسان کا کوئی فرد دوسرے پر نہ تو زیادتی کر سکے، نہ اس کی آبرو ریزی کرے، نہ شرف انسانی، حرمت بشری اور عصمت کو نقصان پہنچا سکے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ اگر وہ لوگ صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی ان سے صلح کر لیجئے۔ تمام روئے زمین عدلِ اسلام اور اس کی عزت کے حکم میں دار واحد قرار پاتا ہے۔ نہ تو اس میں اختلافِ ادیان کا کوئی اثر ہوتا ہے، نہ جنسیاتِ اُمم اس میں کوئی تغیر اور تبدل کر سکتے ہیں بلکہ ہر فرد و بشر عصمت دم، وعصمت مال اور تمام انسانی حقوق میں ایک مسلمان کی طرح ہی ہے۔ یہی فتویٰ اسلام ہے یہی اس کا بین الاقوامی معاملاتی، معاشرتی بے مثل قانون ہے، اسلام کا فتویٰ اپنے احکام اور قوانین کے متعلق بالکل عام، اجتماعی اور بین الاقوامی ہے اگرچہ اسلام کے قضیات اور قوانین کا نفاذ صرف دولتِ اسلام اور حکومت اسلامی تک ہی محدود ہے۔

نہ تو ایک دار دوسرے کے لئے دارِ حرب قرار پا سکتا ہے اور نہ ایک ملت اور قوم دوسری قوم کے لئے محارب قرار پا سکتی ہے، جب تک یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے امن و امان کی فضا کو جنگ کے شعلوں میں نہ بدل ڈالیں۔ آج کل کی لڑائیوں میں ہر شخص کے سامنے یہ بالکل ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے اور ہر شخص بڑی آسانی سے اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ موجودہ جنگ (۳۹ تا ۴۵ء ۱۹) کے زمانے میں کسی شخص کی جان و مال اور تمام حقوق کی کوئی بھی عصمت اور حفاظت باقی نہ رہی تھی۔ یہی وہ حقیقی جنگ ہے جس کی بنا پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کہ روس انڈین نیشنل کانگریس کو مالی مدد دے تاکہ وہ انگریزوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھ سکے۔ نیز افغانستان کو بھی اس معاہدے میں شریک کیا جائے۔ ان تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے روسیوں کی اجازت سے مولانا ترکی آگئے۔ اور کوئی چار سال بعد ترکی سے حجاز تشریف لے گئے تاکہ حج پر آنے والے دوستوں کے ذریعہ وہ ہندوستان اور افغانستان سے تعلقات قائم کرسکیں۔

ظفر حسن صاحب اس وقت تو روس میں رہ گئے، لیکن کچھ عرصہ بعد وہ بھی ترکی پہنچے۔ اور مولانا کے ساتھ رہنے لگے۔ وہاں سے مولانا اور اُن کی طرف سے "ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان کی حکومت کے لئے" ایک پروگرام مرتب کرکے شائع کیا گیا۔

اس پروگرام کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

> مجوزہ سرور اجیہ (سب کا راج) پارٹی ہندوستان کو ایک ملک تصور نہیں کرے گی۔ ہندوستان کے تین حصے ہوں گے۔ اس کا نظام حکومت وفاقی ہوگا۔ فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومی ملکیت میں دے دیئے جائیں گے۔ انفرادی اور ذاتی ملکیت محدود کردی جائیں گی، ملک کی زمینیں قومی ملکیت قرار ہوں گی اور نظام زمینداری منسوخ کردیا جائے گا (ان جمہوریتوں میں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی، پارٹی فاروق اعظم کے فیصلے کے مطابق زمینداروں کو زمین کی ملکیت چھوڑنے پر اور امام ابوحنیفہ کے فیصلے کے مطابق مزارعت چھوڑنے پر مجبور کرے گی)۔ ہر ایک جمہوریت اپنی اکثریت کے مذہب کو اپنا سٹیٹ مذہب قرار دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ مذہب پارٹی کے اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کا مخالف نہ ہو۔ مرکزی حکومت ہند کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

مصنف اس پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۲۴ء میں جب یہ پروگرام مرتب کیا گیا تھا، ہندوستان کی فضا اور ہندو مسلم تعلقات اتنے خراب نہ تھے جیسے کہ ۱۹۳۰ء میں اور بعد میں نئی اصلاحات ملنے پر ۱۹۳۷ء میں ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام حقوق قابلِ حرمت اور عصمت ہیں ۔

اس بات کو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ حقوق کی عصمت اور حرمت عدلِ اسلام کے روسے نفسِ انسانیت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے ۔ دار، کلمہ اور دین کے سبب سے ان کی حرمت اور عصمت متحقق نہیں ہوتی ۔ جو شخص (فقیہ) ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اس میں غیر اقوام کے بینکوں کے سودی کاروبار اور رباؤ عمل کو حلال اور جائز قرار دیتا ہے اس پر "نادان دوست سے عقلمند دشمن اچھا ہے" والی مثل صادق آتی ہے، اس لئے کہ اس قول کی موجودگی میں ہندوستان کے مسلمانوں کا اپنے وطن اور اپنے گھر میں ہونے کے باوجود ان کے مال، خون اور تمام حقوق کی عصمت اور حفاظت جاتی رہتی ہے، اب نہ تو ہندوستان میں کسی مسلمان کا خون محفوظ رہتا ہے اور نہ گھر اور نہ بنک میں ان کے مال کی حرمت باقی رہتی ہے ۔

اب اس بے چارے جان بوجھ کر فقیہ بننے والے کی مثال اس ریچھ کی سی ہے جس نے اپنے دوست کو مکھیوں کی تکلیف سے بچانے کی خاطر اس کے سر پر بھاری پتھر پھینک کر ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا ـــــ

تھوڑی دیر کے لئے کہنے والے کے قول کے مطابق ہم ہندوستان کو دارِ حرب ہی فرض کر لیتے ہیں ۔ لیکن ذرا یہ تو بتایا جائے کہ کس کے مقابلہ پر ہندوستان کو دارِ حرب قرار دیا جائے ؟ آیا خود ہندوستانیوں ہی کے مقابلہ پر ؟ یا بیرونِ اقوام یورپ اور ان کے بنکوں کے مقابلہ پر ؟ ہر صورت میں نتیجہ وہی ہے کہ کسی ایک شکل میں بھی مسلمان کے جان و مال کی حرمت اور عصمت باقی نہیں رہتی ہے ۔ بلکہ مسلمانوں کا مال بنک والوں کی ملکیت قرار پا جاتا ہے ۔ مسلمان نہ تو ربا اور سود کا مطالبہ کر سکتا ہے اور نہ راسِ مال اور سرمایہ کو طلب کر سکتا ہے ۔ چنانچہ ایسی صورت میں مسلمان اپنے تمام حقوق سے محروم ہو جاتا ہے ۔

اس مسئلہ کے متعلق حضرت امام اعظم شاہ ولی اللہ صاحب محترم حضرت امام شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت محترم مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی کی آرار بعد میں آنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے کرام سے مختلف تھیں۔ ان تین حضرات ائمۂ مجتہدینِ عظام میں سے ایک بھی اپنے دین اور اپنے فقہ کے ذریعہ حیلہ کی جستجو نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ یہ حضرات ہندوستان میں بنک کے سودی کاروبار کو جائز قرار دیتے، بلکہ ان میں سے ہرایک کو اس بات کا علم تھا کہ شارعِ اسلام علیہ السلام جب بھی کسی سے معاہدہ کرتے تھے تو معاہدہ کرنے والے سے اس بات کو تسلیم کراتے تھے کہ وہ کبھی کسی سودی کاروبار یا ربائی عمل سے سروکار نہیں رکھے گا، جس طرح کہ قرآن کریم بھی صاف الفاظ میں اس کا اعلان کرتا ہے:-

"فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔ اگر تم سودی کاروبار کو نہیں چھوڑو گے تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کا اعلان کرو۔

اگر میں گمراہی پر ہوں تو یہ میری گمراہی یقیناً میرے ہی سر ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فقیہ رہبر غیرتِ اسلام ہی کی بنا پر میری رہبری کرے گا، میں تہہ دل سے اس کا ممنون ہوں گا۔ خداوندِ عالم کی طرف کسی سچی بات کو منسوب کرنا میرا شیوہ اور فرض ہونا چاہیئے۔

فقط

موسیٰ جار اللہ غفرلہٗ

لمحات

شاہ ولی اللہؒ کی حکمتِ الٰہی کی یہ بنیادی کتاب ہے۔ اس میں وجود سے کائنات کے ظہور، تدلی اور تجلیات پر بحث ہے۔ یہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ایک قلمی نسخے کی تصحیح اور تشریحی حواشی اور مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

قیمت : دو روپے

© rasailojaraid.com